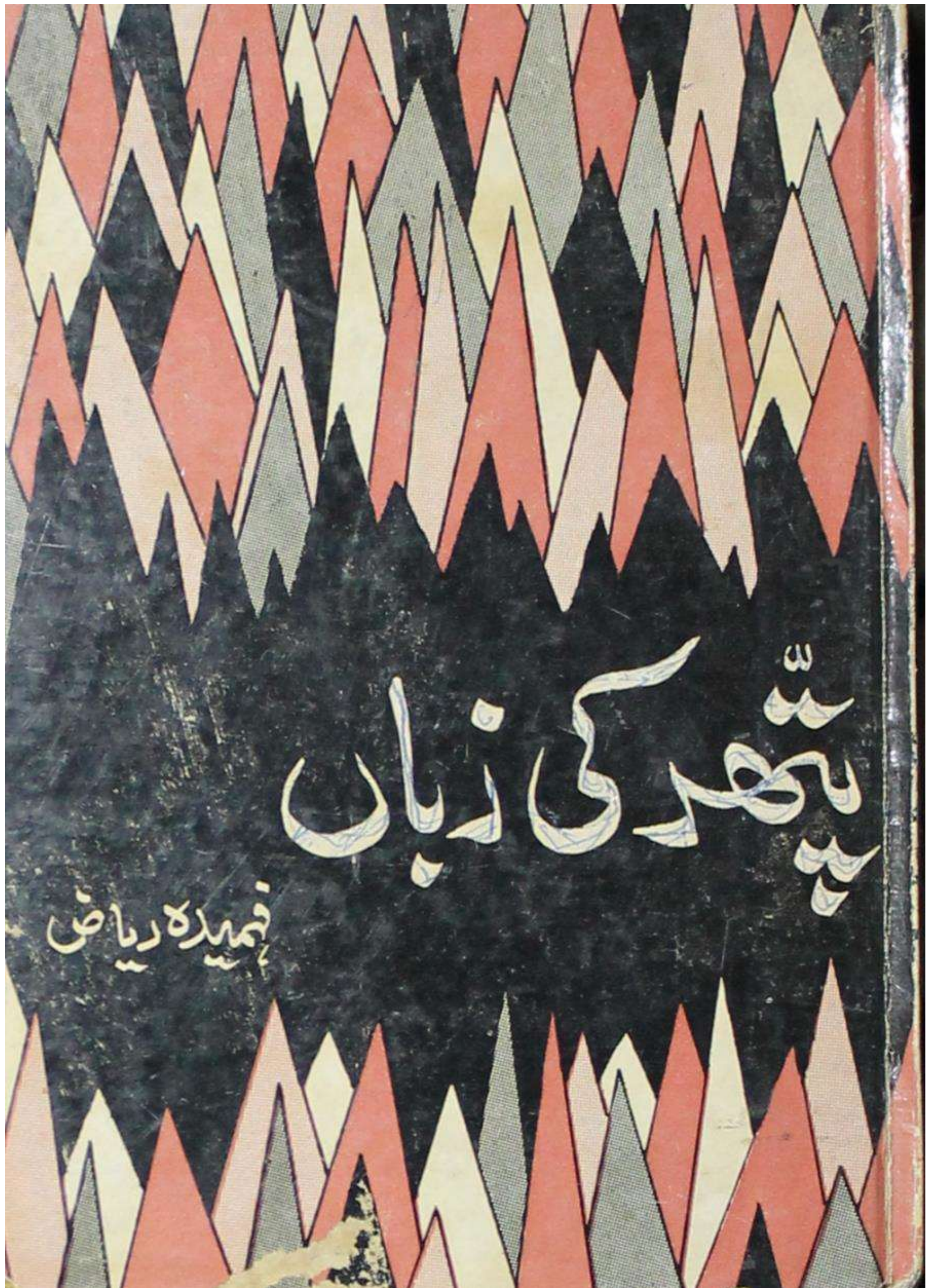
Resized


CW
IM
IdeaMines
Aafaque Ehsen's IdeaMines Sites
for the public good
علم اپناؤ - خوشحالی پاؤ


پتھر کی زبان
فہمیدہ ریاض

پتھّر کی زبان

فہمیدہ ریاض

نئی آواز، جامعہ نگر، نئی دلّی 110025



تقسیم کار

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار، دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202001

پہلا ہندستانی اڈیشن: فروری ۱۹۸۲ء تعداد 1000 قیمت: =/15

برٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلی ۲ میں طبع ہوئی۔

فوزیہ رفیق کے نام

فہرست

کڑیاں

"پتھر کی زبان" میری نظموں کا پہلا مجموعہ ہے۔ پہلی بار ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد میرے دو مجموعے "بدن دریدہ" اور "دھوپ" شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اتنے طویل عرصے کے بعد نوعمری کی لکھی ہوئی ان نظموں کی دوبارہ اشاعت آخر کیوں؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہندستان میں یہ کتاب پہلے شائع ہی نہیں ہوئی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ میری آج کی تحریروں میں جو کچھ بھی ہے، یہ مختصر سا مجموعہ ایک طرح سے اس کا تعارف ہے۔

وقت کی اہمیت اضافی بات ہے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک چوتھائی صدی بھی سوچ کے سفر پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ بہرحال خود اپنی شاعری کے بارے میں جو تبصرے میں سنتی اور پڑھتی ہوں وہ کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ میرا کوئی مجموعہ ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ پتھر کی زبان، دھوپ اور بدن دریدہ، تینوں بالکل الگ الگ کھڑے نظر آتے ہیں۔ کیا واقعی ایسی بات ہے؟ دراصل اس مجموعے کی اشاعت قارئین کے لیے دعوتِ فکر ہے کہ وہ سوچ کے تسلسل کی کڑیاں ڈھونڈ سکیں۔

چودہ پندرہ برس پہلے لکھی ہوئی نظموں کو از سرِ نو شائع کرانے کے لیے جب میں نے "پتھر کی زبان" پر نظر ڈالی تو پہلے پہل میں نے اسے کسی ایسی نوجوان ہندی لڑکی کی شاعری کی طرح دیکھا جو بہرحال آج میں نہیں ہوں۔ جیسے لاشعور میں یہ بات پہلے سے ہی موجود تھی کہ وہ لڑکی کوئی اور تھی۔ زندگی

کی دہلیز پر کھڑی، امید و بیم کے جھولے میں جھولتی، کیسی تھی وہ لڑکی ؛ اتنے برسوں بعد اس سے پھر ملنے کا موقع ملا۔ لیکن جیسے جیسے میں ان نظموں کو پڑھتی گئی، ایک مسرت بھری مسکراہٹ سارے وجود میں پھیل گئی۔

—— پہچان کی مسکراہٹ !

کیوں کہ میں نے ان نظموں میں اپنے آپ کو پہچان لیا۔ آپ ان کو غور سے پڑھ کر دیکھیے گا، یہ بظاہر اداس رومانی نظمیں کسی بہت ضدی لڑکی کی لکھی ہوئی ہیں۔ (جیسے کئی برسوں بعد، زندگی کے کسی اور موڑ پر "بدن دریدہ" اور "دھوپ" کی نظمیں لکھنی تھیں۔)

"پتھر کی زبان" کی بیشتر نظموں کی ابتدا مایوسی اور اداسی ہے۔ لیکن تقریباً تمام ہی نظموں میں ایک واضح موڑ پڑتا ہے، جہاں مایوسی کی جگہ ایک ایسی کیفیت لے لیتی ہے جسے امید، یقین، اثبات یا ایسے ہی کسی رجحان کا نام تو نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن وہ کیفیت ہار مان لینے کی بہر حال نہیں ہے۔ نظم "دل ! دشمن" میں دیکھیے، جس کی ابتدا ہے ؎

عاقلوں نے فرمایا

"عاقلوں" کے مشوروں کے بعد نظم میں اپنی ہار مان لینے کی کوشش کا ذکر تو ضرور ہے، لیکن نظم کا انجام یہی ہے کہ ؎

ہونٹ بھینچ کر اپنے
رو سکتے ہیں جب آنسو
آنکھ میں کھٹکتے ہیں

"سردیوں کی ایک شام" تمام تر اداسی اور مایوسی کا مرقع ہے (جیسا اس عمر میں اکثر محسوس ہوتا ہے ! سترہ اٹھارہ سال کے لڑکے اور لڑکیاں

آج بھی اسی طرح کے مضمون باندھتے ہیں کہ "تمام عمر ختم ہو گئی!" "اُف "ساری" زندگی لاحاصل تھی!!" کیسی جان لیوا عمر ہوتی ہے یہ بھی!!) لیکن آخری موڑ اس کا یہی ہے کہ اس مایوسی کے باوجود "لیکن"

لیکن دل کی اُداس دھڑکن
دھیرے دھیرے یہ کہہ رہی ہے
تو میری رگوں میں رچ گیا ہے

"پتھر کی زبان" کی کنجی یہی ایک لفظ "لیکن" ہے۔ اسی کنجی سے میری نظموں میں تسلسل کا دروازہ کھلتا ہے۔

"تمنا" کی ابتدا دیکھیے ــ

"مجھے تم سے ملنے کی اُمید کب ہے"

آغاز ہی قطعیت کے سُر سے کیا گیا ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کُن مایوسی تو در اصل ایک انداز ہے قاری کو اصل بات کی طرف لانے کا۔ اور اصل بات کیا ہے؟

نہ اُمید کوئی، نہ کوئی سہارا
بغاوت کی ہمت، نہ کوشش کا یارا
مری بے بسی مجھ پہ ظاہر ہے لیکن
تمھاری تمنا! تمھاری تمنا!!

ان اشاروں کے بعد میں اُمید کرتی ہوں کہ سنجیدہ قارئین ان نظموں کے "اصل" مزاج کو بہتر سمجھ سکیں گے۔

دوسرا تبصرہ جو میری شاعری پر کیا گیا وہ اس کے سیاسی ہو جانے سے متعلق ہے۔ میری آج کی نظموں میں "سیاسی موضوعات" پر حیران ہونے والے اس اوّلین مجموعے میں "لمبے سفر کی منزل" اور "زادِ راہ" پڑھ کر جان سکتے

ہیں کہ سیاسی اور سماجی موضوعات میری شاعری میں اچانک نہیں در آئے ہیں۔ ان کی جڑیں میری اوّلیں سوچ میں موجود تھیں جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھی ہیں۔

پندرہ برس کے فاصلے سے، سفرِ حیات کے کئی سنگِ میل پار کر لینے کے بعد، دوری کے اس مقام پر کھڑے ہوئے، آج مجھے اپنی نظموں کے بارے میں یہی کچھ کہنا تھا۔

اُمید ہے قارئین ان نظموں کو خوشگوار پائیں گے۔

فہمیدہ ریاض
۲۱ ستمبر ۱۹۸۱ء
دہلی

پتھر کی زبان

اسی اکیلے پہاڑ پر تو مجھے ملا تھا
یہی بلندی ہے وصل تیرا
یہی ہے پتّھر مری وفا کا
اُجاڑ، چٹیل، اُداس، ویراں
مگر میں صدیوں سے، اس سے لپٹی ہوئی کھڑی ہوں
پھٹی ہوئی اوڑھنی میں سانسیں تری سمیٹے
ہوا کے وحشی بہاو پر اُڑ رہا ہے دامن
سنبھالا لیتی ہوں پتّھروں کو گلے لگا کر

نکیلے پتھر

جو وقت کے ساتھ میرے سینے میں اتنے گہرے اُتر گئے ہیں
کہ میرے جیتے لہو سے سب آس پاس رنگین ہو گیا ہے
مگر میں صدیوں سے اس سے لپٹی ہوئی کھڑی ہوں
اور ایک اُونچی اُڑان والے پرند کے ہاتھ
تجھ کو پیغام بھیجتی ہوں
تو آ کے دیکھے
تو کتنا خوش ہو
کہ سنگریزے تمام یاقوت بن گئے ہیں
دمک رہے ہیں
گلاب، پتھر سے اُگ رہا ہے!

سچ

سچائی، اُلفت، خودداری
مٹی کے کمزور کھلونے
پل بھر میں جاتے ہیں ٹوٹ

پھر بھی دُنیا کتنی حسیں ہے!
ایسی مقدس — جیسے مریم!
ایسی اُجلی — جیسے جھوٹ!

ذرا سی بات

پل، دو پل کو، اک محفل میں ملے تھے، گئی بہار
اِدھر اُدھر کی سنی سُنائی باتیں کیں دو چار
انھوں نے شاید دیکھا بھی تھا میری طرف، اک بار

جھجک

یہ مری سوچ کی اَن جان، کنواری لڑکی
غیر کے سامنے کچھ کہنے سے شرماتی ہے
اپنی مبہم سی عبارت کے دوپٹے میں چھپی
سر جُھکائے ہوئے، کترا کے نکل جاتی ہے

ایک رات کی کہانی

بڑی سُہانی سی رات تھی وہ
ہوا میں اَن جانی کھوئی کھوئی مہک رچی تھی
بہار کی خوش گوار حدت سے رات گلنار ہو رہی تھی
رو پہلے سپنے سے، آسماں پر سحاب بن کر بکھر گئے تھے
اور ایسی اک رات
ایک آنگن میں کوئی لڑکی کھڑی ہوئی تھی
خموش —— تنہا —— !

وہ اپنی نازک، حسیں سوچوں کے شہر میں کھو کے رہ گئی تھی
دھنک کے سب رنگ اُس کی آنکھوں میں بھر گئے تھے
وہ ایسی ہی رات تھی کہ راہوں میں اس کی، موتی بکھر گئے تھے
ہزار اچھوتے، کنوارے سپنے
نظر میں اس کی، چمک رہے تھے
شریر سی رات اس کو چپکے سے وہ کہانی سُنا رہی تھی
کہ آج
وہ اپنی چوڑیوں کی کھنک سے شرمائی جا رہی تھی

احتراز

آج کی رات کے دامن میں ہیں کیا کیا جادو

خواب آلود فضاؤں میں یہ سوئے ہوئے گیت
آپ کے قرب کے احساس کی یہ نرم سی آنچ
کسی اَن جان سی خواہش سے سُلگتا ہوا چاند
کچھ جھجکتی ہوئی، شرماتی ہوئی سرد ہوا
(یہ مری سوچ کا اُلجھا ہوا ریشم ڈورا!)
نشے میں جھومتی شب کی طلب انگیز مہک
دھڑکنوں کو مری، بیدار کیے دیتی ہے
(دھڑکنیں، جن کا نہ حاصل ہے، نہ مفہوم کوئی)

اجنبی! آپ مجھے آنکھ جھپک لینے دیں

رات کی سانس میں جذبات گھُلے جاتے ہیں
میری چوری کو مگر گھور رہی ہیں ہر سمت
دور تک، روشنیاں — رات کی باہوں میں اسیر
شہر کی سخت و سیہ، سوچتی، گونگی سڑکیں
ایسے جامد ہیں کہ جیسے مری قسمت کی لکیر

میں نے مانا کہ مجھے آپ کچھ اپنے سے لگے
آپ کے گیتوں میں، اپنی مجھے آواز آئی
آپ کے حُسنِ تخیّل میں کھلے ہیں وہ پھُول
جن کی خوشبو سے معطّر ہے مری تنہائی

پھر بھی، سوچیں تو، مجھے آپ سے نسبت کیا ہے!
کچے دھاگے کا یہ بے نام سا اک رشتہ ہے
یہ فسوں کار و جواں رات، فقط دھوکا ہے
صُبح اک ایسی حقیقت ہے، نہیں جس سے گریز
کون اس رات کے دامن کو جکڑ سکتا ہے!

لاکھ چاہیں بھی، پہ یہ رات گزر جائے گی
اور پھر میری تمنّا کی یہ نورستہ کلی
اس حقیقت کی کڑی دھوپ نہ سہہ پائے گی

جھلملاتے ہیں جو احساس میں ننھّے جگنو
وقت کی آنکھ میں رہ جائیں گے بن کر آنسو
رات کی رات ہیں یہ رات کے سارے جادو

سوچ

رات اک رنگ ہے، اک راگ ہے اک خوشبو ہے

مہرباں رات مرے پاس چلی آئے گی
رات کا نرم تنفّس مجھے چھو جائے گا
دودھیا پھول چنبیلی کے، مہک اُٹھیں گے
رات کے ساتھ مرا غم بھی چلا آئے گا

اب مرے خانۂ دل میں بھی چراغاں ہوگا

یونہی ہر شب جو نکلتی ہے سیاہی شب کی
اک لرزتا ہوا سایہ سا چلا آتا ہے
جس کے سینے میں دھڑکتا ہے طلائی مہتاب
رات کے پیار میں گُم ذہن اگر یہ پوچھے
"کون ہو تم، مرے مہمان، اندھیرے میں چھُپے؟"
چار اطراف بکھرتے ہوئے سناٹے میں
میرے افکار یونہی گونج کے رہ جاتے ہیں
ایسا لگتا ہے، نہیں اور کوئی بھی موجود
بیکراں رات میں گھُل جاتا ہے خود میرا وجود

مری چنبیلی کی نرم خوشبو

مری چنبیلی کی نرم خوشبو
ہوا کے دَھارے پہ بہہ رہی ہے
ہَوا کے ہاتھوں میں کھیلتی ہے
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے

مری چنبیلی کی نرم خوشبو
مجھے تو زنجیر کر چکی ہے
اُلجھ گئی ہے کلائیوں میں
مرے گلے سے لپٹ گئی ہے
وہ رات کی کہر میں چھپی ہے
سیاہ خُنکی میں رَچ رہی ہے
گھنیرے پتّوں میں سرسراتی
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے

اب سو جاؤ

اب سو جاؤ ــــــ
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو
تم چاند سے ماتھے والے ہو
اور اچھی قسمت رکھتے ہو
بچے کی سی بھولی صورت
اب تک ضد کرنے کی عادت
کچھ کھوئی کھوئی سی باتیں
کچھ سینے میں چُبھتی یادیں
اب انہیں بُھلا دو ــــــ سو جاؤ
اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو

سو جاؤ ــــ تم شہزادے ہو

اور کتنے ڈھیروں پیارے ہو

اچھا تو کوئی اور بھی تھی ؟

اچھا، پھر بات کہاں نکلی ؟

کچھ اور بھی یادیں بچپن کی

کچھ اپنے گھر کے آنگن کی

سب بتلا دو ــــ پھر سو جاؤ

اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو

یہ ٹھنڈی سانس ہواؤں کی

یہ جھلمل کرتی خاموشی

یہ ڈھلتی رات ستاروں کی

بیتے نہ کبھی ــــ تم سو جاؤ

اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ میں رہنے دو

خوشبو

ٹپ ٹپ بوندیں، بے کل خواہش
ساون رُت چھائی ہے ہر سُو
آم کے پیڑوں سے آتی ہے
کوئل کی آوارہ کُوکُو

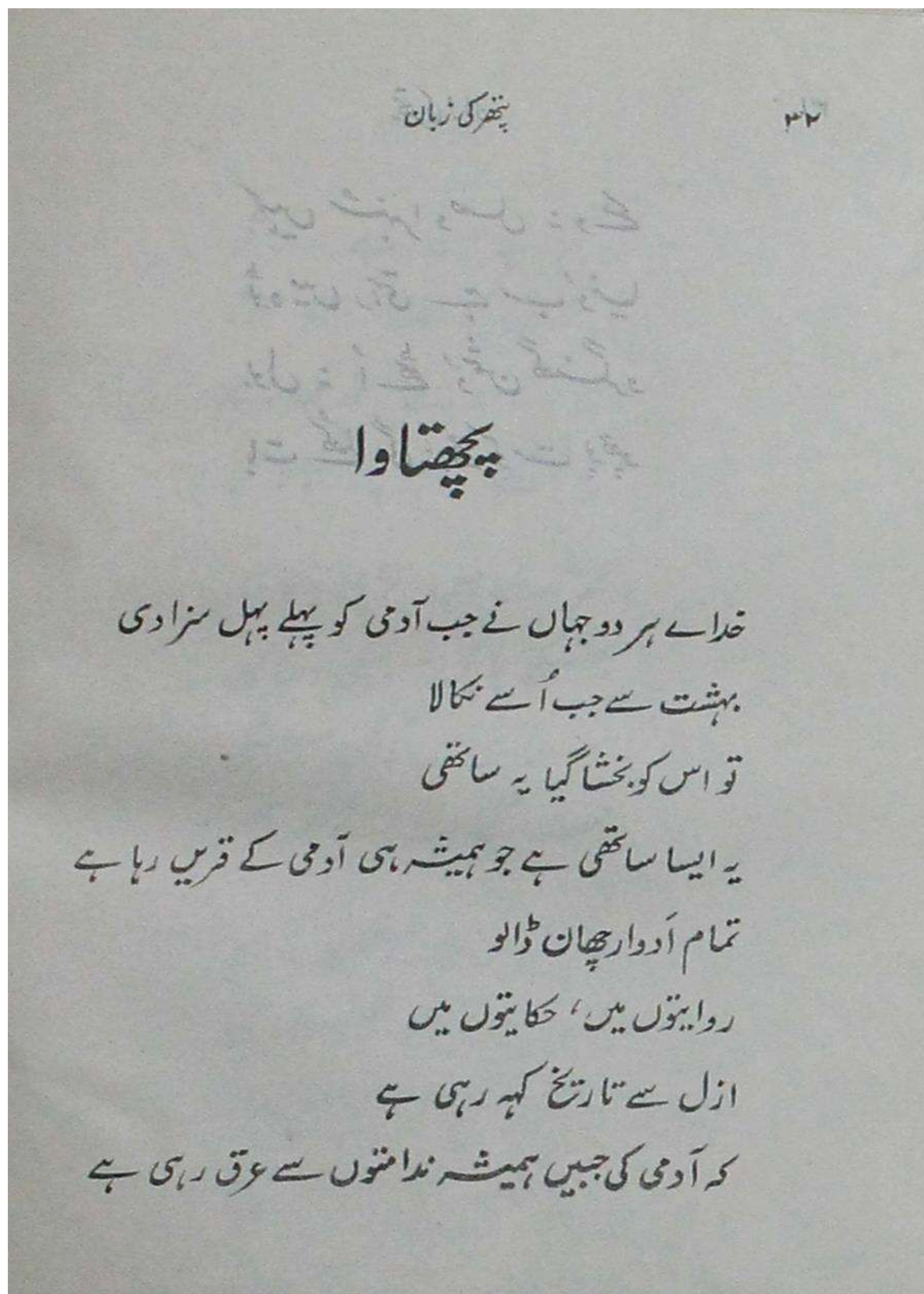
نم دھرتی کی سوندھی خوشبو
سوئی یادوں کو سہلائے
بیتی برساتوں کی گُپھا میں
کھوئے کھوئے چھنکے گھنگرو

لہر لہر بے چین ہے ساگر
ساحل پیاسا ذرّہ ذرّہ
دیکھ کے بڑھتے ہاتھ تمھارے
لہرا اُٹھّے رُخ پر گیسو !

گھونگھٹ میں تڑپی چنگاری
بھٹکی باتیں، بہکی دھڑکن
سرگوشی میں اُلجھی سِسکی
ڈھلک گئے شانے پر آنسو

کانچ کی چوڑی کے ٹکڑوں سے
دھیان میں بیٹھی کھیل رہی تھی
سِمٹی سُن کر نام تمھارا
آئی گرم، حنا کی خوشبو

کہیں سُنہرا وصل نہ دمکے
تُو میں رہتی ہے سب دُنیا
بول نہ اُٹھے دُشمن گھنگرو
بات کھُلے گی، مجھ کو مت پوچھو



پچھتاوا

خدائے ہر دو جہاں نے جب آدمی کو پہلے پہل سزا دی
بہشت سے جب اُسے نکالا
تو اس کو بخشا گیا یہ ساتھی
یہ ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ ہی آدمی کے قریں رہا ہے
تمام اَدوار چھان ڈالو
روایتوں میں، حکایتوں میں
ازل سے تاریخ کہہ رہی ہے
کہ آدمی کی جبیں ہمیشہ ندامتوں سے عرق رہی ہے

وہ وقت جب سے کہ آدمی نے

خُدا کی جنّت میں شجرِ ممنوعہ چکھ لیا

اور

سرکشی کی

تبھی سے اس پھل کا یہ کسیلا سا ذائقہ

آدمی کے کام و دہن میں ہر پہر کے آ رہا ہے

— مگر ندامت کے تلخ سے ذائقے سے پہلے

گُناہ کی بے پناہ لذّت!!

ہاکس بے[1]

لہروں کی آوازیں سُنتا
وہ چُپ چاپ چلا جاتا ہے
اُٹھتی گرتی آوازوں سے
بھورا ساحل گونج رہا ہے

چاندی جیسا جھاگ اُڑاتی
بے کل لہریں ڈول رہی ہیں

---

[1] Hawks Bay ساحل کراچی کا ایک دل فریب مقام

ٹھنڈے اور گیلے ساحل پر
اس کے آہستہ قدموں کے
ایسے نقش اُبھر آئے ہیں
جیسے اس کے لمس کے نیچے
نرم اور بات سمجھنے والی
ریت نے کہنا مان لیا ہے

ننّھے ننّھے، پیارے پیارے
نیلے اور گلابی پتّھر
ریت کے اندر جھلک رہے ہیں

سرد ہوا کا بھاری جھونکا
جو اس کا بچھڑا ساتھی ہے

پیار سے آ کر گلے لگا ہے

اس کے ماتھے اور گردن پر
ریت کے ذرّے لگے ہوئے ہیں

بارش

جب بھی میرے آنگن میں
بوندیاں برستی ہیں
بند کر کے دروازے
بیٹھتی ہوں کمرے میں
جانتی ہوں یہ بوندیں
چاہتی ہیں جو مجھ سے
چھت پہ وہ کریں ٹپ ٹپ
کھڑکیوں پہ ہو رم جھم
مجھ کو چھیڑنے کو یہ

کیسے رُوپ بھرتی ہیں
یا تو یوں ٹپکتی ہیں
ہر طرف گریں جیسے
آنسوؤں کے قطرے سے
اور کبھی دریچے پر
کھلکھلا کے ہنستی ہیں
ڈولتی ہواؤں میں
سنسنانے لگتی ہیں
ناچتی ہیں پتّوں پر
ڈال سے پھسلتی ہیں
کھڑکیوں کے شیشوں پر
جھانجھنیں بجاتی ہیں
پتّھروں پہ گاتی ہیں

دھیرے دھیرے سب دھرتی
سانس لینے لگتی ہے
ہر نفس مہکتا ہے

بند کر کے دروازے
بیٹھتی ہوں کمرے میں
پھر بھی ہاتھ بارش کے
مجھ کو ڈھونڈ لیتے ہیں
میرے روئیں روئیں کو
چھُو کے چھوڑ جاتے ہیں
ایک لرزشِ بیہم
اب کہاں چھپوں جا کر
جانتی ہوں یہ بوندیں

میرے دل پہ برسیں گی
میری کچی مٹی کو
چوم کر جگا دیں گی
اس کی سوندھی خوشبو پھر
میں کہاں چھپاؤں گی
لوگ ٹھیک کہتے ہیں
دو ہی ایسی چیزیں ہیں
جو کبھی نہیں چھپتیں
ان میں ایک خوشبو ہے

یادیں

کچھ لمحے، جو جی اُٹھے تھے کبھی
جو دل کی طرح دھڑکے تھے کبھی
کچھ لمحے ا-(جواب مر بھی چکے)
ان مُردہ لمحوں کی روحیں
احساس کے ویراں کھنڈروں میں
بے چین بھٹکتی پھرتی ہیں

کبھی کبھی

اصولِ زندگی ہے یہ، حیات ہے تو آس ہے
دبیز ہوں سیاہیاں تو پھوٹے صُبح کی کرن
چلی ہے جب بھی بادِ نامُراد، جل اُٹھے چمن
سُلگ کے اُس تپش سے، اور بھی چمک اُٹھی لگن
وہ شوق کی خلش، کہیں جو دل کے آس پاس ہے
فراق، شدّتِ جنوں بھلا گھٹا سکا ہے کب
صعوبتوں کا سلسلہ بنا ہے جہد کا سبب
مہک اُٹھے ہیں حسرتوں کے پھول، بڑھ گئی طلب
مرے چراغِ شوق کو ہوائے تند راس ہے

جو عزم ہے، اُمنگ ہے، تو ہم مُراد پائیں گے
جو اشک میں لہو کا رنگ ہے تو گُل کھلائیں گے
کبھی تو اے خدا — کبھی تو ہم بھی مُسکرائیں گے

اِسی یقین پر مری اُمید کی اساس ہے
مگر میں کیا کروں، کہ آج دل بہت اُداس ہے

دل! دشمن

عاقلوں نے فرمایا:

دل کی بات پاگل پن
جوشِ شوق دو اک دن
حُسن و عشق کم مایہ
آب و گل کی دُنیا میں
سنگ جیسے دل کر لو
خواب دیکھنے چھوڑو

پھر بھی کیا کرے کوئی
دل میں ہوک جب اُٹھے
یہ صدا نکلتی ہے
"ایک بار مل جائے!
ہاتھ تھام لے آکر
صرف ایک لمحے کو،
کیسی ہوگی وہ ٹھنڈک!
میرے پیاسے ہاتھوں پر
اس کے لمس کی شبنم
سارا درد دُھل جائے
یہ جو جاں سُلگتی ہے
اس کو چین آجائے
دل کے زخم کچّے ہیں
(دل! سدا کا ضدّی دل)

—— پھر بھی ٹھان لیتے ہیں
عاقلوں کی مانیں گے
یہ فضول سی باتیں
اب کبھی نہ سوچیں گے
(دل بھی کیسا دشمن ہے)
بس اسی ارادے سے
درد کو دباتے ہیں
دل تو پھر بھی دُکھتا ہے
نیند بھی نہیں آتی
بن گئی جلن ایسی
زندگی کی ویرانی
سونی سونی تنہائی

کروٹیں بدلتے ہیں

عاقلوں کے کہنے سے
درد بھی دبا لیں گے
زخم بھی چھپا لیں گے
ہونٹ بھینچ کر اپنے
روکتے ہیں جب آنسو
آنکھ میں کھٹکتے ہیں

اندیشہ

ہاتھ میں بیتی بات کی لرزش
لاکھ بچاؤں، کھنکے برتن
گھٹی گھٹی مجبوری میری
سب کے طعنے، دل کی کھولن
اُمیدوں کی راکھ میں دہکیں
جلتی حسرت کے انگارے
رُخ پر ڈھلکے عرقِ ندامت
کہنا چاہوں، چُپ رہ جاؤں

ہائے اُس کی کھوئی مجبت
گال پہ کاجل پھیلا پھیلا
محرومی سے اُجڑی صورت
رُسوائی سے آنچل میلا
چپکے چپکے آنسو پونچھو ں
نہیں نہیں، میں روتی کب ہوں
اس کا مجھ کو دھیان کہاں ہے
مجھ پر تم اُنگلی نہ اُٹھاؤ
یہ گیلی لکڑی کا دُھواں ہے

سردیوں کی ایک شام

ایک پیڑ کی اوٹ سے نکل کر
ڈوبا سرما کا زرد سورج
مٹیالے بادلوں کے پیچھے
چُپ چاپ اُفق سُلگ رہا ہے
آوارہ ہوا کا سرد جھونکا
بھٹکی سرگوشیاں سُنا کر،
سوکھے پتّوں سے کھیلتا ہے

پتھر کی زبان

ہر خوشبو میں گھُلی اُداسی
ہر چیز کا رنگ سوچتا ہے
تنہائی کی شام جا رہی ہے
سینے کا بوجھ بڑھ رہا ہے
بیتی باتوں کی یاد بن کر،
پہلا تارا لرز رہا ہے
جیسے میرے آس پاس کوئی
چھپ کر ہچکی سے رو رہا ہے
آنسو آنکھوں میں چُبھ رہے ہیں
کوئی مرا دل مَسل رہا ہے
کچّا رشتہ جو تجھ سے ٹوٹا
اب رُوح کا زخم بن گیا ہے
پتّھر بن کے میں سوچتی ہوں

تو میرے لیے نہیں بنا ہے
لیکن دل کی اُداس دھڑکن
چپکے چپکے یہ کہہ رہی ہے
تو میری رگوں میں رچ گیا ہے

تمنّا

مجھے تم سے ملنے کی اُمید کب ہے
مآلِ مسرت کی تاریکیوں میں
نہیں خود فریبی کا کوئی اُجالا

مرا حوصلہ، سر کو زانو پہ رکھے
خجالت سے منہ آستیں میں چھپائے
بڑی دیر سے سسکیاں لے رہا ہے

کبھی آس کی پھانس دل میں چبھی تھی
سو مدت ہوئی، ٹوٹ کر رہ گئی ہے
مرے دل میں اک پھول اُمید کا تھا
اسے وقت کے ہاتھ نے نوچ ڈالا
اب اس زخم سے تجربہ رس رہا ہے

مری رُوح کی چیخ، اُبھرنے سے پہلے
لبوں پر مرے، منجمد ہو گئی ہے
میرے چاروں اطراف غم کا دُھواں ہے

مگر ایک شعلہ بھڑکتا ہے دل میں
لپکتی ہوئی جس کی خونیں زبانیں
مری رُوح کو چاٹتی جا رہی ہیں
یہ شعلہ ابھی تک یونہی ضوفشاں ہے

نہ اُمّید کوئی، نہ کوئی سہارا
بغاوت کی ہمّت، نہ کوشش کا یارا
مری بے بسی مجھ پہ ظاہر ہے — لیکن
تمھاری تمنّا! تمھاری تمنّا!

زادِ راہ

طویل رات نے آنکھوں کو کر دیا بے نور
کبھی جو عکسِ سحر تھا، سراب نکلا ہے
سمجھتے آئے تھے جس کو نشان منزل کا
فریب خوردہ نگاہوں کا خواب نکلا ہے
تھکن سے چور ہیں — آگے بڑھیں کہ لوٹ آئیں

چھپے ہوئے ہیں اندھیروں میں وسوسے کیا کیا
ہر ایک خضر پہ، رہزن کا شک گزرتا ہے
ہر آستین میں خنجر دکھائی دیتا ہے
پرے سرکتا ہی جائے گا کیا سحر کا اُفق ؟
ہماری جرأتِ آغاز، بھول تھی شاید!
ہمارے ہاتھ میں اُمید کا چراغ نہیں!
یہ وہ چراغ تھا، جس پر ہمیشہ رکھتے تھے
ہم اپنے سنگ سے، آہن سے عزم کا سایہ
وہی تو تھا دلِ خستہ کا ایک سرمایہ
خلوص اور یقیں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے
لُٹے ہیں ایسے کہ ہم اعتبار کھو بیٹھے

آخری بار

(بطرزِ مثنوی)

ہم جو یوں پھر رہے ہیں گھبرائے
آخری بار ان سے مل آئے

یوں گلے لگ کے ہو لیے رُخصت
اَن کہی بات کی مٹی حسرت

جو بھی تنہائیوں میں سوچی تھیں
کھُل کے وہ ساری باتیں کہہ ڈالیں

اور جو کہنے سے تھی زباں لاچار
کہہ گئی چور ، گرمیِ رُخسار

ظلمتِ غم میں دل چراغ بنا
لالۂ رُخ پہ اشک داغ بنا

کہہ دیا چپکے چپکے رو رو کے
ہار مانی ہے ہم نے دُنیا سے

سارے دعوے وفا کے ختم ہوئے
ہم نہیں ایک دوسرے کے لیے

گھر کے قصّے بیان ہوتے رہے
اپنی مجبوریوں پہ روتے رہے

جان کی دی قسم کہ شاد رہیں
التجا کی کہ بھول جائیں ہمیں

تھام کر ہاتھ، ان سے قول لیا
بیاہ کریں گے وہ کہیں اپنا

ملے حسرت سے جوں لبِ افسوس
رہ گئے اپنے دل کو مسوس

جانتے تھے کہ اب نہ دیکھیں گے
یاس سے ان کی شکل تکتے تھے

تھرتھراتے لبوں سے دے کے دُعا
عمر بھر کے لیے وداع کیا

مگر اب تک یہ سوچ ہے دل میں
ان سے اک بار اور مل آئیں

مجبوری

یہ وصال و ہجر کی باتیں پُرانے قصّے ہیں
شکستِ دل تو بڑی عام سی کہانی ہے
نئے زمانے میں جذباتیت سے کام نہ لو
وہ اک ذرا سی شرارت ہی کیا محبّت تھی ؟
مجھے بتاؤ تو، سچ مچ یقین ہے تم کو!
پھر آپ مل نہ سکے آخری پیام کے بعد

ہمیں بھی صبر سا آ ہی گیا تھا رو رو کے
مگر جو گزری ہے دل پر، وہ آپ کیا جانیں
سُنا ہے، پچھلے دنوں، دوستوں کی محفل میں
چلے تھے آپ کہ تردید جُرمِ عشق کریں
مگر جھجک سے گئے، کچھ ہمارے نام کے بعد

وہ لڑکی

جن پر میرا دل دھڑکا تھا، وہ سب باتیں دُہراتے ہو
وہ جانے کیسی لڑکی ہے تم اب جس کے گھر جاتے ہو

مجھ سے کہتے تھے : بن کاجل اچھی لگتی ہیں مری آنکھیں
تم اب جس کے گھر جاتے ہو، کیسی ہوں گی اس کی آنکھیں
تنہائی میں چپکے چپکے نازک سپنے بُنتی ہو گی
تم اب جس کے گھر جاتے ہو، کیا وہ مجھ سے اچھی ہوگی؟
مجھ کو تم سے کیا دلچسپی، میں اک اک کو سمجھاتی ہوں
یاد بہت آتے ہو جب تم، یوں جھوٹوں دل بہلاتی ہوں

اک دن ایسا بھی آئے گا، مجھ کو پاس نہیں پاؤ گے!
یاد آؤں گی، یاد آؤں گی! پچھتاؤ گے، پچھتاؤ گے!
لیکن میں دُکھ درد سمیٹے، ان گلیوں میں کھو جاؤں گی
لاکھ مجھے ڈھونڈو گے لیکن ہاتھ تمھارے کیا آؤں گی

بیت چلی اُداس شام

بیت چلی اُداس شام
بُجھ گئی بادلوں کی آگ
پھیل گئیں سیاہیاں
دیر سے دیکھتی ہوں میں
ایک اندھیرے موڑ سے
روشنیاں ، گریز پا

کوئی نہ میری آرزو
کوئی نہ دل میں اشتیاق
کیوں مری خالی آنکھ میں
رنگ بھرے گا کوئی خواب

شام کا تارا دیکھ کر
میں نہ کسی کا لوں گی نام
میرے لیے کوئی نہیں
اجنبی ہیں یہ خوشبوئیں
اجنبی ہیں دھنک کے رنگ
شام کا تارا اجنبی
اجنبی ہے ہوا کا راگ
سب کسی اور کے لیے

پچھلے پہر تک

چار سو موت کا سکوت محیط
کوئی آہٹ نہ کوئی گونج، نہ چاپ
آسماں دم بخود، زمیں خاموش
اپنی کم مائیگی سے بے دل چاند
ہر ستارہ ہے دیدۂ بے نور
برف سا سرد اور جامد وقت
زندگی جیسے پتھروں کا ڈھیر
اے مرے دل! تجھے کہاں لے جاؤں؟
شب کا سیسہ پگھلنے والا ہے
مان بھی جا — وہ اب نہ آئے گا

بیٹھا ہے میرے سامنے وہ

بیٹھا ہے میرے سامنے وہ
جانے کسی سوچ میں پڑا ہے
اچھی آنکھیں ملی ہیں اس کو
وحشت کرنا بھی آگیا ہے
بچھ جاؤں میں اس کے راستے میں
پھر بھی کیا اس سے فائدہ ہے
ہم دونوں ہی یہ تو جانتے ہیں
وہ میرے لیے نہیں بنا ہے
میرے لیے اس کے ہاتھ کافی
اس کے لیے سارا فلسفہ ہے

پتھر کی زبان

میری نظروں سے ہے پریشاں
خود اپنی کشش سے ہی خفا ہے
سب بات سمجھ رہا ہے لیکن
گُم سُم سا مجھ کو دیکھتا ہے
جیسے میلے میں کوئی بچہ
اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہے
اس کے سینے میں چھپ کے روؤں
میرا دل تو یہ چاہتا ہے
کیسا خوش رنگ پھول ہے وہ
جو اس کے لبوں پہ کھل رہا ہے

یارب وہ مجھے کبھی نہ بھولے
میری تجھ سے یہی دعا ہے

لوری

ننھّے ننھّے ہاتھوں سے
مانگتے ہو کیا مجھ سے ؟
نیم وا دہن ، جیسے
کوئی اَدھ کھِلا غنچہ
مجھ میں ڈھونڈتا کیا ہے
جِسم میں تمھارے کیوں
میری رُوح کھِنچ آئی ؟
مجھ سے کیسا رشتہ ہے !

کچھ بھی ہو مگر مجھ کو
زندگی سے پیارے ہو
تم تو وہ مسرّت ہو
جس کو میں ترستی تھی
میں نے جو نہیں پائی
تم میں آ گیا شاید
حُسن میری حسرت کا

آرزو کی رعنائی
تم کو دیکھ کر وہ بھی
آنکھ میں لیے حیرت
فخر سے، مسرّت سے
مسکرانے لگتا ہے

تم میں لوگ پائیں گے
ثبت کو کھ پر میری
اس کے پیار کا بوسہ
آج دیکھ لے دُنیا
کتنا خوب صُورت ہے
پھُول درد کا میرے
میری آنکھ کا آنسو
میرے خون کا قطرہ

تو جو مُسکرائے گا
سب دُکھن بُھلا دوں گی
زیست کی خلش لے کر
میں بھی مُسکرا دوں گی

گُڑیا

چھوٹی سی ہے
اسی لیے اچھی لگتی ہے
بٹوہ جیسے ہونٹ ہیں اس کے
اور رُخساروں پر سُرخی ہے
نیلی آنکھیں کھولے، بیٹھی تاک رہی ہے
جب جی چاہے کھیلو اس سے

الماری میں بند کرو

یا

طاق پہ رکھو اسے سجا کر

اس کے ننھے لبوں پہ کوئی پیاس نہیں ہے

نیلی آنکھوں کی حیرت سے مت گھبراؤ

اسے لِٹا دو

پھر یہ جیسے سو جائے گی

لمبے سفر کی منزل

شام کے پھیلتے دُھند لکے میں
جانے کب سے کھڑے ہوئے ہیں ہم

سارے دن کی تھکن سے پژ مُردہ
کاوشِ بے حصول پر نادم
گرد آلود رُخ — جُھکی نظریں
سرنگوں — باادب — بصد تکریم

پُشت پر زندگی کا بوجھ لیے
منتظر اپنے گاہک کے

چار سُو ہیں سنّاٹے

چار سُو ہیں سنّاٹے
ہر طرف ہے ویرانی
ذوقِ وصل کی اب تو
خاک بھی نہیں باقی
رہ گئی تھی اک خواہش
میں نہ اس کو یاد آؤں
ایک تھی خلش دل میں
اس کو دُکھ نہ ہو کوئی

اے عزیز اندیشے
آ، گلے سے لپٹا لوں
اس کے ساتھ تھا کوئی!
مسکرا رہا تھا وہ!

جب نیند بھری ہو آنکھوں میں

جب نیند بھری ہو آنکھوں میں، جب رات گئے بیلا مہکے
اور چار طرف ہو سناٹا، چُپ چاپ گزرتے ہوں لمحے
ایسے میں ہوا کا جھونکا بھی پتّوں میں جو آہٹ کرتا ہے
مجھ کو تو گماں یہ ہوتا ہے، جیسے وہ ہنسا آہستہ سے
آدھی سوئی، آدھی جاگی، میں اپنا درد دباتی ہوں
اور اس آنسو کو چھپاتی ہوں، جس کو مٹّی میں ملنا ہے
ایسے میں ہوا کا جھونکا بھی پتّوں میں جو آہٹ کرتا ہے
مجھ کو تو گمان یہ ہوتا ہے، جیسے وہ ہنسا آہستہ سے

آنکھیں موندوں، آنکھیں کھولوں، آنکھیں موندوں، وہ پاس آئے
وہ پاس آئے اور مجھ سے کہے "تم مجھ کو اچھی لگتی ہو"
آدھی سوئی، آدھی جاگی، پھر میں چُپکے سے ہنستی ہوں
پھر میں چُپکے سے ہنستی ہوں، دھیرے دھیرے سو جاتی ہوں

قطرہ قطرہ

قطرہ قطرہ دل میں آنسو گرتے ہیں

اک آنسو اس شخص کا، جو بے گانہ ہے
اک آنسو اس نام کا، جو ہم لے نہ سکے
اک آنسو اس دُعا کا، جو پوری نہ ہوئی
اک فضول سی بات کہ جو بے سود کہی
(آنسو میرا خواب، میں جس سے گھبراؤں
آنسو میری مُراد، جسے میں بہلاؤں)

اک آنسو اس چہرے کا، جو یاد رہے
آنکھوں کے رستے جو دل میں اُتر جائے
اک آنسو اس ٹھہرے ٹھہرے لہجے کا
اک آنسو اس وہم کا، ذہن میں جو آیا
اک آنسو اس جھوٹ کا، جو اوروں سے کہا
پھیکی ہنسی سے کیسے قصّہ ختم کیا
لمحہ لمحہ رات گزرتی جاتی ہے

قطرہ قطرہ دل میں آنسو گرتے ہیں

مہمان

اس کو اک دن تو جانا تھا
مجھ سے کیا رشتہ، کیا ناتا
بس پَل دو پَل کو ٹھہرا تھا
پَل دو پَل ہنستے گزرا تھا

میں تب بھی سوچا کرتی تھی
یہ ساتھ بڑا لمحاتی ہے
جذبے کی تھوڑی سی گرمی
جلتے چھالے بن جاتی ہے

اس بات کو بیتے سال ہوئے

پھر دُنیا ہے پہلے جیسی

سب رنگ وہی، رعنائی وہی

سب حُسن وہی، پر کیا کیجے

سچّے تھے مرے سب اندیشے

اب بھی، یوں ہی، بیٹھے بیٹھے

یاد آئے تو دل دُکھ جاتا ہے

کچھ لوگ

دُنیا کی لمبی راہوں پر، ہم یوں تو چلتے جاتے ہیں
کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو یاد ہمیشہ آتے ہیں

وہ راہ بدلتے ہیں اپنی اور مُڑ کر ہاتھ ہلاتے ہیں
لیکن وہ دلوں کو، یادوں کی خوشبو بن کر مہکاتے ہیں

ایسے ہی سفر کرتے کرتے، اک شخص ملا ہم کو بھی کہیں
دُنیا میں اچھے لوگ بہت، لیکن اُس کی سی بات نہیں

وہ دھیمے لہجے والا تھا اور وہ دھیرے سے ہنستا تھا
جتنے بھی لوگ ملے ہم کو، سچ جانو، سب سے اچھا تھا

تھی لاگ نہ اس کے بولوں میں، کی بات نہ کوئی لگاوٹ کی
اس کے فقرے ٹوٹے ٹوٹے، اس کی آنکھیں کھوئی کھوئی

کہہ کر ہی نہ دے جو ہم چاہیں، سوچا ہی کرے بیٹھا بیٹھا
پر دیکھے ایسی نرمی سے، اک بار تو ہو جائے دھوکا

گو ساتھ ہمارا خوب رہا، اس کو نہ ہوئی پہچان بہت
گر بوجھ لے دل کی بات کبھی، ہو جاتا تھا حیران بہت

اور ہم اس کی حیرانی پر شرمندہ ہو کر رہ جاتے
کچھ اور ہمارا مطلب تھا — پھر دیر تلک یہ سمجھاتے

اب چہرہ اس کا اُجلا ہو، یا آنکھیں اس کی ہوں گہری
یا اس کے پیارے ہونٹوں کی ہر بات لگے ٹھہری ٹھہری

کچھ لوگ جو اچھے ہوتے ہیں اور راہوں میں مل جاتے ہیں
ہیں ان کو اپنے کام بہت، کب اپنا وقت گنواتے ہیں
کب پیاسے پیاسے رہتے ہیں، کب جی کو روگ لگاتے ہیں

دل کی بات

اپنے دل کی بات کو ہم نے رات بہت سمجھایا
پہلو بدلے بستر میں اور دل کا درد دبایا
اب حیران کھڑے تکتے ہیں اس کی پیاری صورت
اپنی بات گنوا بیٹھے اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا
جس کے دل میں درد نہیں، ہم اس سے کیا کہہ بیٹھے
کیا چمکیلا موتی تھا، مٹی میں جسے ملایا
ہنگاموں میں اسے بھلایا لیکن جب بھی لوٹے
بوجھل قدم ہوئے اور انجانے میں دل بھر آیا

تہنیت

کتنے بخت والے ہو
زندگی میں جو چاہا
تم نے پا لیا آخر
عزم اور ہمت سے
فہم سے ذکاوت سے
ہے تمھارے دامن میں
پھول کامرانی کا
اور تمھارے ماتھے پر
فخر کا ستارہ ہے
اب تمھارے چہرے پر

ایسی شادمانی ہے
کوئی کہہ نہیں سکتا
درد سے بھی واقف ہو
اور تمھارے پاؤں میں
دیر سے کھٹکتا ہے
آرزو کا اک کانٹا
جس سے خون رِستا ہے
لالہ زار راہوں پر
اس لہو کی سُرخی کی
کانپتی لکیریں ہیں
ان لہو کے دھبّوں میں
ناتمام، مبہم سی،
ایک بات لکھی ہے

اپنے دوست کے لیے

یہ زرد موسم کے خشک پتّے
ہوا جنھیں لے گئی اُڑا کر
اگر کبھی ان کو دیکھ پاؤ
تو سوچ لینا
کہ ان میں ہر برگ کی نمو میں
زیاں گیا عرقِ شاخِ گل کا
کبھی یہ سرسبز کونپلیں تھے
کبھی یہ شاداب بھی رہے ہیں

کھُلے ہوئے ہونٹ کی طرح نرم اور شگفتہ!
بہت دنوں تک
یہ سبز پتّے
ہوا کے ریلوں میں بے بسی سے تڑپ چکے ہیں
مگر یہ اب خشک ہو رہے ہیں
مگر یہ اب خشک ہو چکے ہیں
اگر کبھی اس طرف سے گزرو
تو دیکھ لینا
برہنہ شاخیں ہوا کے دل میں گڑی ہوئی ہیں
یہ اب تمھارے لیے
نہیں ہیں

اُس کا دل تو اچھا دل تھا

ایک ہے ایسی لڑکی جس سے تم نے ہنس کر بات نہ کی

کبھی نہ دیکھا، چمکے اس کی آنکھوں میں کیسے موتی

کبھی نہ سوچا، تم سے ایسی باتیں وہ کیوں کہتی ہے

کبھی نہ سمجھا، ملتے ہو تو گھبرائی کیوں رہتی ہے

کیوں اس کے رخسار کی رنگت سرسوں ایسی زرد ہوئی

تم سے ملنے سے پہلے، وہ ایسی تنہا کبھی نہ تھی

کل کر آنکھ بہانے سے، وہ کب تک آنسو روکے گی

اس کے ہونٹوں کی لرزش بھی تم نے کبھی نہیں دیکھی

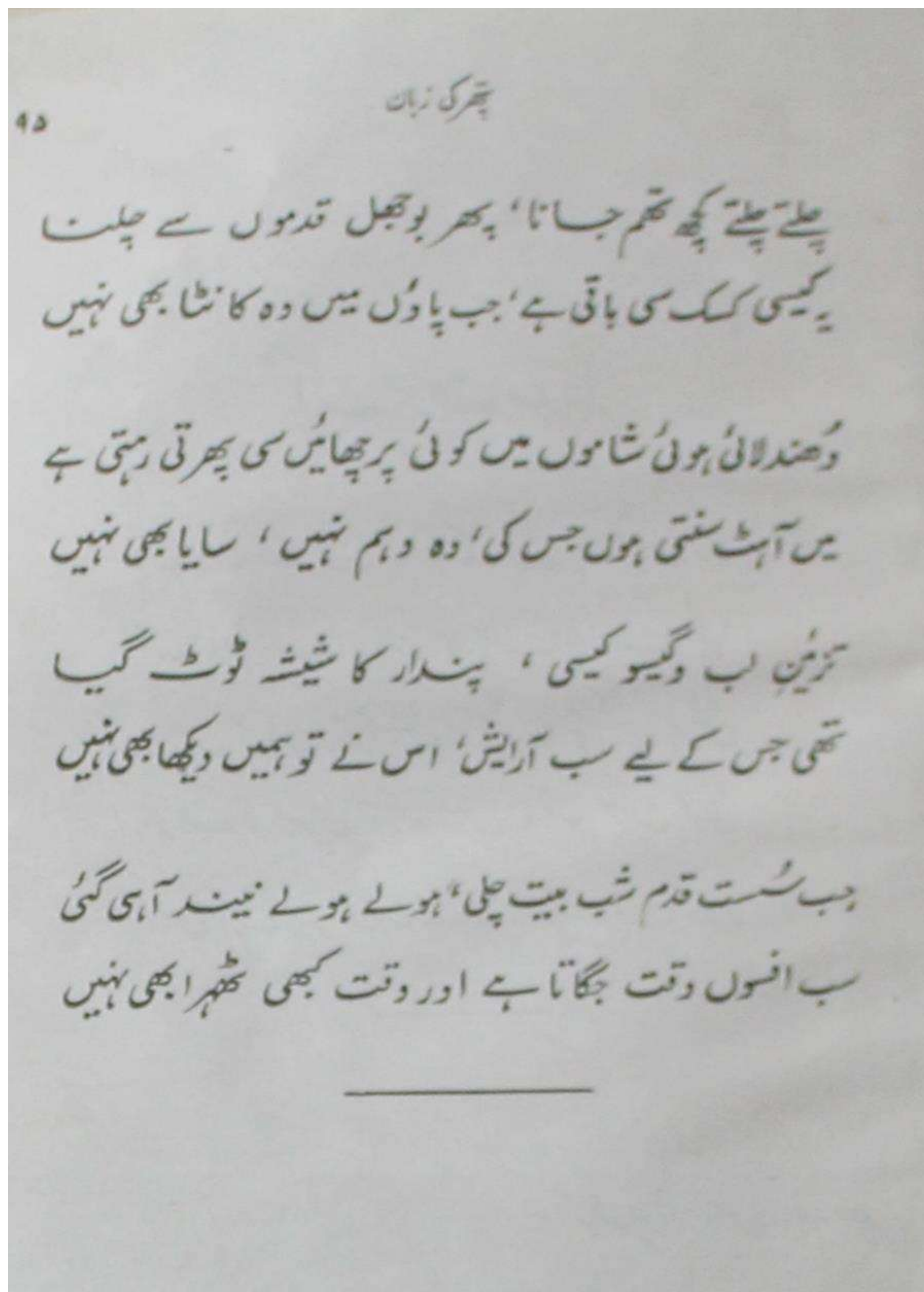
کیوں ایسی سنسان سڑک پر اسے اکیلا چھوڑ دیا
اس کا دل تو اچھا دل تھا جس کو تم نے توڑ دیا
وہ کچھ نادم، وہ کچھ حیراں، رستہ ڈھونڈا کرتی تھی
ڈھلتی دھوپ میں اپنا بے کل سایہ دیکھ کے ہنستی تھی
اکثر سورج ڈوب گیا اور راہ میں اس کو شام ہوئی

مدّت سے ہے یہ عالم دل کا!

مدت سے ہے یہ عالم دل کا، ہنسنا بھی نہیں، رونا بھی نہیں
ماضی بھی کبھی دل میں نہ چُبھا، آیندہ کا سوچا بھی نہیں

وہ میرے ہونٹ پہ لکھا ہے جو حرف مکمّل ہو نہ سکا
وہ میری آنکھ میں بستا ہے جو خواب کبھی دیکھا بھی نہیں

شامل ہے ہوا کی آہوں میں وہ گیت، جو لب تک آ نہ سکا
میری ہر نظم کا عنواں ہے جو شعر ابھی لکھا بھی نہیں



چلتے چلتے کچھ تھم جانا، پھر بوجھل قدموں سے چلنا
یہ کیسی کسک سی باقی ہے، جب پاؤں میں وہ کانٹا بھی نہیں

دھندلائی ہوئی شاموں میں کوئی پرچھائیں سی پھرتی رہتی ہے
میں آہٹ سنتی ہوں جس کی، وہ وہم نہیں، سایا بھی نہیں

تزئینِ لب و گیسو کیسی، پندار کا شیشہ ٹوٹ گیا
تھی جس کے لیے سب آرائش، اس نے تو ہمیں دیکھا بھی نہیں

جب سُست قدم شب بیت چلی، ہولے ہولے نیند آ ہی گئی
سب افسوں وقت جگاتا ہے اور وقت کبھی ٹھہرا بھی نہیں

94

اک حرفِ مدّعا

اک حرف تھا لبوں پہ، کھٹکتا تھا پھانس سا

اک نام تھا زبان کا چھالا بنا ہوا

لو میں زباں تراش کے خاموش ہو گئی

لو اب تو میری آنکھ میں آنسو نہیں کوئی

بس ایک میرا گنگ —— مرا حرفِ مدّعا

خوشنویس: ایس۔ایم۔منظر